چودھری محمد نعیم

قران السعدین میں غالب کا تذکرہ

اردو کے یورپی محسنوں میں ایک بڑا نام ڈاکٹر ایلوئس شپرنگر کا ہے۔ موصوف کی جائے پیدائش شمالی آسٹریا کا علاقہ ٹیرول، اور سنہ پیدائش ۱۸۱۳ ہے۔ ویانا میں طب مغربی کے ساتھ ساتھ السنۂ مشرقی میں خاص تعلیم کے بعد آپ لندن چلے گئے تھے۔ وہاں مسلمانوں کی تاریخ سے متعلق مختلف موضوعات پر مزید کام کرنے کے بعد ۱۸۴۳ میں آپ کمپنی کی ملازمت میں کلکتہ پہنچے اور کچھ ہی عرصہ بعد آپ کا تقرر دہلی کے معروف مدرسہ میں بحیثیت پرنسپل کے ہوگیا۔ چند سال بعد آپ کمپنی کی طرف سے لکھنو بھیجے گئے، جہاں آپ نے نوابانِ اودھ کے کتب خانوں کی مفصل فہرست کئی جلدوں میں تیار کی۔ بدقسمتی سے صرف پہلی جلد ہی ۱۸۵۴ میں شائع ہوئی۔ باقی جلدوں کا اب تک کچھ پتہ نہیں چل سکا ہے۔ آپ کچھ عرصہ کلکتہ کے مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل بھی رہے اور وہاں نصابی اصلاح کی کوشش کی جو اساتذہ میں خاصی نامقبول ثابت ہوئی۔ ۱۸۵۷ میں آپ یورپ واپس چلے گئے اور سوئٹزرلینڈ میں برن یونیورسٹی میں مدت تک السنۂ مشرقی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۸۸۱ میں آپ نے جرمنی کے شہر ہائڈل برگ میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ۱۸۹۳ میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے آپ نے ہندوستان میں حاصل کردہ مخطوطات، کتب و رسائل کا اپنا ذخیرہ برلن کے شاہی کتب خانے کو فروخت کر دیا تھا جہاں وہ اب بھی بخوبی محفوظ ہے۔

دلی مدرسہ کی پرنسپلی کے دوران شپرنگر نے ایک ہفتہ وار رسالہ 'قران السعدین' کے نام سے ۱۸۴۵ میں جاری کیا تھا۔ اس کے ۳۴ شمارے برلن میں محفوظ ہیں۔ اولین شمارے پر یہ تفصیل درج ہے: 'نمبر ۲۔ قیمت دو روپیہ مہینہ اور جو پیشگی دے تو بیس روپیہ سالیانہ۔ ۱۱ مئی ۱۸۴۶'۔ اور اس کے صفحات کی گنتی ۲۳۱ سے شروع ہوتی ہے۔ اس رسالہ میں زیادہ تر مضامین سائنس، تاریخ اور دیگر علومِ حاضرہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ابتدا کے کچھ شماروں میں شعر و ادب کا ذکر بھی ملتا ہے، یعنی کسی عصری شاعر پر مختصر سوانحی نوٹ اور کچھ انتخابِ کلام۔ جن شعرا کا تذکرہ دستیاب ہے انکے نام یہ ہیں: مولوی عبداللہ خانصاحب علوی، اسد اللہ خان غالب، مولوی صدرالدین خان آزردہ، میر نظام الدین ممنون، اور زین العابدین خان عارف۔ غالب کا تذکرہ ۱۸ جنوری ۱۸۴۷ (جلد ۲ نمبر ۳) میں شایع ہوا ہے (ص، ۲۷ تا ۳۰)۔ اس میں ایک جملہ خاصا چونکا دینے والا ہے:

'منازلِ عمر سے تر پپن (۵۳) اور کمالات وفضائل کے مراحل سے ہزار در ہزار طے کیے ہیں۔' جنوری ۱۸۴۷ سنہ ہجری کے اعتبار سے محرّم ۱۲۶۳ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے مطابق غالب کا سنہِ پیدائش ۱۲۱۰ ہجری قرار دیا جائے گا، یعنی معروف تاریخ سے تقریباً دو سال قبل۔ قران السعدین یقیناً خود غالب کی نظر سے گذرتا تھا۔ مدرسہ سے تعلق رکھنے والے متعدد لوگ غالب کے دوست اور آشنا تھے جنھوں یہ شمارہ غالب کو دکھایا ہوگا یا اسکا ذکر ان سے کیا ہوگا۔ خود غالب کو رسائل اور اخبارات کے مطالعہ کا وافر شوق تھا اور مانگ مانگ کر پڑھتے تھے۔ یہ بعید از خیال ہے کہ غالب پر تعریفی مضمون دہلی کے ایک اہم رسالہ میں شایع ہو اور انکی نظر سے نہ گذرے۔ مضمون کا انداز اور اس قدر وثوق سے منازل عمر کی تعداد کا ذکر بھی بتاتا ہے کہ مصنف غالب کے قریبی دوستوں میں سے ہی کوئی تھا۔ اتفاق سے ذخیرہ میں ۲۵ جنوری کا شمارہ بھی موجود ہے۔ اس میں کوئی نوٹ تصحیح یا وضاحت کا نہیں جبکہ بعد کے ایک آدھ شماروں میں ایسی تحریر مل جاتی ہے۔ یہاں ہم اس نوٹ کا پورا متن معہ انتخاب اشعار درج کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اس نوٹ کے پہلے صفحے کا عکس بھی۔ صلائے عام ہے یارانِ تحقیق کے لئے۔

جناب اسداللہ خان غالب تخلص

سخن سنج معنی پناہ، کمالات سرمایہ فضایل دستگاہ، وحید عصر فرید آوان، اصمعیٔ دہر لبید دوران، جناب اسداللہ خان، غالب کل غالب، مستند ظہوری و طالب، غالب تخلص۔ انکے شاہد کلام کو اگر باعتبار فروغ معنی کے سلمے سے تشبیہ دیں بجا ہے اور اگر باعتبار ملاحت و نمکینی کے لیلے سے مشابہ کریں روا۔ ہر مصرع انکا سرو بوستان فصاحت اور ہر شعر انکا ابروئے پیوستہ خوبان بلاغت۔ مشق سخن اس مرتبہ کو پونہچی ہے کہ طبایع وقادِ ارباب کمال سے جتنے عرصہ میں ایک مصرع موزوں ہو سکے اس سرگروہِ اہل فضل و ہنر سے ایک قصیدۂ غرا بل مثنوی کا موزوں ہونا اور پھر متانت عبارت اور رشاقت استعارات اور برجستگیٔ الفاظ اور پختگیٔ معانی کے ساتھ متصور کیا بل کہ امر وقوعی ہے۔ منازل عمر سے تر پپن (۵۳) اور کمالات وفضایل کے مراحل سے ہزار در ہزار طے کیے ہیں۔ اگر انکے علم وفضل کا وصف خامۂ دو زبان چاہے کہ تحریر کرے حیز طاقت سے افزون پاتا ہے، ناگزیر بیان واقعی سے گریز نہیں رکھتا۔ خلق ذاتی اور مروّت طبعی اور دوست پرستی کو درجۂ بلند عطا کیا ہے۔ والانسب وعالی حسب قدر بلند ومرتبۂ ارجمند کے ساتھ انکی ستایش کرنی ایسی ہے کہ آسمان کے جمیع مراتب سے جو کہ قوامِ وجود اور اسبابِ کمالِ کاینات میں دخل رکھتے ہیں قطعِ نظر کر کر فقط یوں مدح کریں کہ وہ سب اشیای عالم سے بلند ہے۔ از بسکہ طبع

دقیقہ پسند رکھتے ہیں اوایلِ حال میں نظم ونثر کو بطرزِ عبدالقادر مرزا بیدل فرماتے تھے اور بعد او سکے طرزِ ظہوری کو انتخاب فرما کر غزلیات وقصاید کو اس روش سے زیب وزینت دی۔ اب قاطبۂ کلام اونکا طراز طرز نظیری سے مطرّز ہے۔ سبحان اللہ، جس صاحب کمال کا آغاز وہ ہو تو انجام کا قیاس اسی پر کرنا چاہیے، سو واقعی انجام میں طرز کلام کو کس رتبہ پر پونچایا کہ اگر نظیری موجود ہوتا تو حلقۂ شاگردی گوشِ جان میں ڈال کر انکی حکّ واصلاح کو اپنے سخن کی بلندیٔ قدر سمجھتا۔ نثر میں ایک طرز نوع اختراع کی ہے کہ بعد او سکے ملاحظہ کے طرزیں اساتذۂ سلف کی خاطر سے فراموش ہوجاتی ہیں۔ از بسکہ دقت طبع بہت ہے کلام ریختہ جو سابق میں ریختۂ کلکِ فصاحت رقم فرماتے تھے بلندیٔ افکار کے سبب سے ہر مضمون پیشِ پا افتادہ بھی معنیٔ بالا دست کے ساتھ ہم پہلو ہوتا ہے ۔۔ بلی حرف از انجا کہ بالا رود۔ چو آید فرو باز آنجا رود۔۔ اور چونکہ ایسے معانیٔ بلند تک پونچنے کے واسطے بہت طبع رسا اور ذہن صافی چاہیے احباب صاف گوئی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ چنانچہ یہ بات ان حضرت کے اس قطعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے: مشکل ہے زبس کلام میرا ایدل: سن سن کے او سے سخنورانِ کامل: آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش: گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ اس قطعہ کے مصرع اخیر میں ایسا لطف ہے کہ وجدانِ صافی او سے مطلع ہے۔ کلام انکا اسقدر ہے کہ او سکی تعداد مشکل ہے۔ سب میں سے دیوانِ ریختہ اور فارسی آٹھ ہزار شعر سے تجاوز رکھتا ہے اور ترکیب بند اور ترجیع بند اور مخمسات اور رباعیات اور قطعات اور مثنویات متعدد اور قریب تیس (۳۰) جزو کے ایک مجموعہ نثر کا ایسی پاکی اور لطافت کے ساتھ مرتّب ہے کہ نظرِ ناظرین باعتبار رنگینیٔ مضامین کے مجموعۂ بہار سمجھتی ہے اور باعتبار لطافت وصفائی کے گوہر آبدار۔ تبرکاً چند شعر منتخب کر کر نظر ناظرین سے گذرتے ہیں۔

اشعار ھندی [کذا]

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر: آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں۔ قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں: میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں۔ غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی: پیتا ہوں روز ابرو شب ماہتاب میں۔ بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے: رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کے لئے۔ وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر: نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے۔ منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید: ناامیدی او سکی دیکھا چاہیے۔ ظالم میرے گماں سے مجھے منفعل نچاہ: ہے ہے خدا نکردہ تجھے بے وفا کہوں۔ وائے گر میرا تیرا انصاف محشر میں نہو: اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا۔ مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے: بیٹھنا

اوسکا وہ آکر تیری دیوار کے پاس۔ شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش: صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں۔ مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور: تن سے سوا فگار ہیں اِس خستہ تن کے پانو۔ شب کو کسو کے خواب میں آیا نہو کہیں: دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو۔ نظر لگے نہ کہیں اوسکے دست و بازو کو: یہ لوگ کیوں میرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں۔ تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو: ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو۔ غالب تیرا احوال سناوینگے ہم اونکو: وہ سن کے بلالیں یہ اجارا نہیں کرتے۔

اشعارِ فارسی

از ان سرمایۂ خوبی بوصلم کام دل جستن: بدان ماند کہ مورے خرمنے را در کمیں باشد۔ نسوزد برخودم دل گر بسوزد برق خرمن را: کہ دانم انچہ از من رفت حقِ خوشہ چیں باشد۔ از ان گردے کہ در راہش نشیند برزخم لب غالب: چہ خیزد چوں ہم از من رخ ہم از من آستیں باشد۔ بیدل نشد ار دل بہ بت غالیہ مو داد: گوئی مگر آن دل کہ زما بردو باد داد۔ سخت است دل غیر وگر از ننگ نگوئی: برگشتن مژگانِ تو گوید کہ چہ رو داد۔ گفتن سخن از پایۂ غالب نہ ز ہوش است: امروز کہ مستم خبرے خواہم از و داد۔ نہ بدر جستہ شرار و نہ بجا ماندہ رماد: سوختم لیک ندانم بچہ عنوانم سوخت۔ رند ہزار شیوہ را طاعت حق گراں نبود: لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست۔ یادِ ایّامے کہ در کویش زبیمِ پاسباں: بستر از خاک رہ و بالش ز بستر داشتم۔ از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است: جرعہ را دیں عوض آریدے ارزاں شدہ است۔ در دِروغن بچراغ وکدرے بہ ایاغ: تا خود از شب چہ بجا ماند کہ مہماں شدہ است۔ شہرتم گر مثل یلدہ گرد دبینی: کہ براں مایدہ خرشید نمکداں شدہ است۔ دلخستۂ غمیم و بودے دوائے ما: باخستگاں حدیث حلال وحرام چیست۔

رباعی

یارب بہ جہانیان دل خرّم دہ: در دعوی جنّت آشتی باہم دہ: شداد پسر نداشت باغش از تست: آن مسکن آدم بہ بنی آدم دہ ❑